یادِ رفتگان

آہ خواجہ عبدالمنان رازکاشمیری

طاہر سلیم قصوری صاحب

گوجرانوالہ شہر کی معروف علمی وادبی شخصیت خواجہ عبدالمنان راز کاشمیری ۹ فروری ۱۹۸۶ء کو مختصر سی علالت کے بعد لاہور کے میو ہسپتال میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اتنی جلدی ہمیں تنہا چھوڑ جائیں گے۔ اگرچہ کاتب تقدیر کا یہ فیصلہ ازل سے ہے کہ موت کا ایک دن معین ہے اس میں ایک لمحہ کے لیئے تاخیر وتعجیل نہیں ہوسکتی مگر آج بھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے لیئے ہم سے روٹھ کر روپوش ہو گئے ہیں کہ ایسے عظیم المرتبت لوگوں کی یاد دل ودماغ پر گہرے نقوش چھوڑ جاتی ہے اور ان کی موت کا یقین نہیں آتا۔

بلاشبہ وہ ایک انتہائی شریف النفس انسان تھے۔ ان کی جاذب نظر شخصیت بے شمار محاسن و محامد کا مجموعہ تھی۔ وہ بظاہر ایک انسان تھے لیکن حقیقت میں قدرت نے انہیں کئی کمالات واوصاف سے نوازا تھا۔ گفتگو کے بادشاہ تھے جہاں بھی جاتے اور جس محفل میں بیٹھتے اس محفل کا چراغ ہوتے اور ہر شخص یہی محسوس کرتا کہ خواجہ صاحب ایک فقیر، ایک درویش، ایک ادیب، ایک عالم اور ایک مخلص دوست ہیں۔ ان میں سے جس تار کو بھی چھیڑو وہی نغمے چھوٹنے لگیں اور سننے والا ان کی خوبیوں کا معترف ہوجاتا۔ پھر حکمتوں اور بذلہ سنجیوں میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ بقول علامہ اقبال ؎

حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا گھر یہ اجڑا کہ تو رونقِ محفل نہ رہا

ان کا حلقہ احباب بڑا وسیع تھا۔ سبھی دوست ان سے دلی محبت رکھتے اور وہ بھی دوستی کے معاملے میں بہت نکھرے ہوئے تھے۔ وہ مخلص اور بے غرض ساتھیوں کی رفاقت کو اپنے لیئے بہت بڑی متاع سمجھتے تھے۔

آج کل وہ اپنا ایک سفرنامہ لکھ رہے تھے "یورپ سے دیارِ حرم تک"، جو دو حصوں پر مشتمل ہوتا مگر ان کا یہ سفرنامہ، سفرِ آخرت پر ختم ہوگیا۔

جب دو سال قبل وہ حج کے لیئے تشریف لے گئے تو دوستوں نے ان کی آمد پر ایک نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کیا جس میں وہ صدر مشاعرہ بھی تھے۔ یہ یادگار مشاعرہ ام القریٰ یونیورسٹی مکۃ مکرمہ میں منعقد ہوا تھا۔ کسی دوست نے اس مشاعرے کی مکمل روئیداد سعودیہ سے انہیں بھیج دی۔ تقریباً ایک ماہ قبل مجھ سے فرمانے لگے کہ اسے ہفت روزہ "چٹان" لاہور میں اشاعت کے لیئے دے دینا چاہیئے۔ چٹان میں اس کی اشاعت کا کام انہوں نے مجھے سونپ دیا۔ چنانچہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں یہ پوری کاروائی چھپ گئی

انہوں نے اپنی زندگی کو تعلیم و تدریس کے لیئے وقف کر رکھا تھا اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتے تھے۔ ان دنوں بھی وہ گورنمنٹ کمیونٹی ہائی سکول منزنگ لاہور میں بطور سینئر ٹیچر اپنے تدریسی فرائض بڑے تندھی سے انجام دے رہے تھے اور بڑھاپے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر عمر کی آخری منزلیں طے کر رہے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ ہر روز گوجرانوالہ سے لاہور تشریف لاتے۔ اس طرح وہ روزانہ تقریباً ۸۰ میل کا سفر کرتے۔

سکول کے تمام طلباء ان سے بہت مانوس تھے اور وہ بھی انہیں اپنے حقیقی بیٹوں کی طرح چاہتے۔ موت سے چند روز قبل فرمانے لگے کہ آج میں نے ڈاکٹروں سے اپنا طبی معائنہ کروایا ہے اور انہوں نے کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا مگر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرا چراغ زندگی بہت جلد گل ہونے والا ہے۔ کسی وقت بھی بلاوا آ سکتا ہے اور اب میں تیار بیٹھا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ خواجہ صاحب آپ اس قسم کی باتیں کر کے یوں بھی اپنی جان کو روگ لگا رہے ہیں۔ آپ تو بالکل ہشاش بشاش اور صحت مند دکھائی دیتے ہیں ——— پھر انہوں نے بڑی درد بھری آواز میں احسان دانشؒ کا یہ شعر پڑھا

قبر کے چھ کھٹے خالی ہیں انہیں مت بھولو جانے کب کون سی تصویر سجا دی جائے

دراصل گزشتہ چند سالوں میں ان کی زندگی میں کئی ایک حادثات رونما ہوئے۔ غالباً دو ماہ پیشتر ان کے بھائی خواجہ عطاء الرحمٰن فوت ہوئے۔ قبل ازیں والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا اور حال ہی میں ان کے پھوپھی زاد بھائی بھی داغ مفارقت دے گئے اور ان پے در پے صدمات نے انہیں نڈھال کر دیا تھا اور وہ اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے ——— بالآخر وہ بھی سب کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے اور وہ چراغ ہمیشہ کیلئے بجھ گیا جس کا انہوں نے اپنی موت سے چند روز پہلے اشارہ کیا تھا۔ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔